ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1957

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: فقہ القرآن (1) (1957) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن و تفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(برائے مطالعہ و حوالہ)

نوٹ: یہ رہنما صرف مطالعے اور حوالے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کریں اور جوابات اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ طہارت کا مفہوم، اقسام اور احکام نیز تمام مباحث پر ایک جامع نوٹ تحریر کریں۔ (20)

تعارف

طہارت اسلام کے نظامِ عبادات کی بنیاد اور کنجی ہے۔ کوئی نماز، طواف اور تلاوتِ قرآن اس وقت تک درست اور مقبول نہیں ہوتی جب تک بندہ ظاہری اور باطنی پاکیزگی حاصل نہ کر لے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ کی تقریباً تمام کتابیں کتاب الطہارت سے شروع ہوتی ہیں، کیونکہ عبادات کا دروازہ اسی سے کھلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طہارت نصف ایمان ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صراحت

فرمائی کہ اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سوال میں طہارت کے لغوی و اصطلاحی مفہوم، اس کی اقسام اور اس سے متعلق اہم احکام ومباحث کا جامع جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ القرآن کے اس یونٹ کا مقصد یہ سمجھانا ہے کہ طہارت محض جسمانی صفائی کا نام نہیں بلکہ ایک شرعی حیثیت ہے جس کے بغیر بڑی عبادات کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء نے طہارت کے مباحث کو وضو، غسل، تیمم، نجاستوں کے احکام، مستعمل پانی، برتنوں اور موزوں پر مسح جیسے ابواب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان تمام پہلوؤں کو ترتیب وار واضح کیا گیا ہے تاکہ طالب علم کو اس بنیادی باب کی مکمل تصویر حاصل ہو جائے اور وہ اپنی روزمرہ عبادات کے مسائل سے آگاہ ہو سکے۔

طہارت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

طہارت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی پاکیزگی، صفائی اور گندگی سے دور ہونے کے ہیں۔ عربی میں طَہُرَ یَطْہُرُ کا مطلب ہے کسی چیز کا میل کچیل اور آلائش سے پاک و صاف ہو جانا۔ اس کے مقابلے میں نجاست اور خبث کے الفاظ آتے ہیں جو ظاہری یا معنوی گندگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے طہارت ہر قسم کی ظاہری اور باطنی آلودگی سے پاک ہونے کا نام ہے، خواہ وہ آلودگی جسم پر ہو، لباس پر ہو یا دل و روح پر ہو۔

اصطلاحِ شرع میں طہارت سے مراد وہ شرعی پاکیزگی ہے جو نماز اور اس جیسی عبادات کی صحت کے لیے شرط قرار دی گئی ہے۔ فقہاء کی تعریف کے مطابق طہارت حدث اور خبث کے ازالے کا نام ہے، یعنی وضو یا تیمم کے ذریعے حدثِ اصغر و اکبر کو دور کرنا اور بدن، لباس اور جگہ کو نجاستِ حقیقی سے پاک کرنا۔ اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ طہارت کا تعلق محض ظاہری صفائی سے نہیں بلکہ شرعی حکم سے ہے، کیونکہ بعض اوقات نظر آنے والی صفائی کے باوجود شرعی طہارت حاصل نہیں ہوتی، اور بعض صورتوں میں شرع کسی چیز کو پاک قرار دیتی ہے اگرچہ طبعی میلان اس سے دور ہو۔

طہارت کی اقسام

فقہاء نے طہارت کو بنیادی طور پر دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم طہارتِ حدث ہے، جسے طہارتِ حکمی بھی کہتے ہیں۔ حدث وہ شرعی رکاوٹ ہے جو پیشاب، پاخانہ، ہوا کے خروج، نیند یا جنابت وغیرہ کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ دو طرح کی ہے: حدثِ اصغر جس کا ازالہ وضو سے ہوتا ہے، اور حدثِ اکبر جس کا ازالہ غسل سے ہوتا ہے، اور پانی نہ ملنے یا استعمال پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں دونوں کا قائم مقام تیمم ہے۔ دوسری قسم طہارتِ خبث ہے، جسے طہارتِ حقیقی کہتے ہیں، یعنی بدن، لباس اور نماز کی جگہ کو حقیقی نجاستوں سے پاک کرنا۔

ایک اور تقسیم کے مطابق طہارتِ ظاہری اور طہارتِ باطنی کی اصطلاحات بھی استعمال ہوتی ہیں۔ طہارتِ ظاہری جسم، لباس اور مکان کی پاکیزگی ہے جس کا بیان فقہ میں ہوتا ہے، جبکہ طہارتِ باطنی دل کو شرک، نفاق، حسد، بغض اور گناہوں کی آلائش سے پاک کرنا ہے جس کا بیان اخلاق و تصوف میں آتا ہے۔ وضو کو طہارتِ صغریٰ اور غسل کو طہارتِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ان اقسام کی پہچان اس لیے ضروری ہے کہ ہر قسم کا حکم اور اس کے حصول کا طریقہ الگ الگ مقرر کیا گیا ہے۔

وضو اور غسل کے احکام

وضو نماز کی شرط ہے۔ قرآن مجید نے سورۃ المائدہ میں وضو کے چار فرائض بیان فرمائے ہیں: چہرہ دھونا، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا، سر کا مسح کرنا اور ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔ ان کے علاوہ سنتوں میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، پورے سر اور کانوں کا مسح، ترتیب اور موالات وغیرہ شامل ہیں۔ وضو توڑنے والی چیزوں میں پیشاب، پاخانہ، ہوا کا خروج، گہری نیند، بے ہوشی اور خون کا بہنا وغیرہ معروف نواقض ہیں جن پر فقہاء نے تفصیل سے بحث کی ہے، اور بعض جزئیات میں ائمہ کے درمیان اختلافی آراء بھی موجود ہیں جن کا مطالعہ نصابی کتاب میں کرایا گیا ہے۔

غسل جنابت، حیض و نفاس سے پاکی اور احتلام کی صورت میں فرض ہوتا ہے۔ غسل کے فرائض تین ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی پہنچانا اور پورے بدن پر پانی بہانا، جبکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو کیا جائے پھر پورے جسم پر اچھی طرح پانی بہایا جائے۔ جمعہ، عیدین اور احرام

کے لیے غسل سنت یا مستحب ہے۔ جس شخص کو پانی نہ ملے یا بیماری کی وجہ سے پانی نقصان دہ ہو، اس کے لیے تیمم کی اجازت ہے جس میں پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا جاتا ہے۔ تیمم کی مشروعیت اس امت کی خصوصیت اور دین کی آسانی کی روشن دلیل ہے۔

نجاستوں کے احکام

نجاست سے مراد وہ خبیث چیز ہے جس سے شرع نے بچنے کا حکم دیا ہے اور جس کا بدن، لباس یا جگہ پر لگنا نماز کی صحت میں رکاوٹ بنتا ہے۔ فقہاء نے نجاست کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: نجاستِ غلیظہ، جیسے انسان کا پیشاب و پاخانہ، خون اور شراب وغیرہ، اور نجاستِ خفیفہ، جیسے حلال جانوروں کا پیشاب وغیرہ۔ نجاستِ غلیظہ کے بارے میں ایک درہم کی مقدار تک معافی اور اس سے زیادہ کے دھونے کا لزوم فقہ میں معروف ضابطہ ہے، جبکہ نجاستِ خفیفہ میں وسعت زیادہ رکھی گئی ہے۔ ان تفصیلات کا مقصد عبادت کی صحت کے ساتھ ساتھ مکلف کو ناجائز مشقت سے بچانا بھی ہے۔

نجاست دور کرنے کے طریقے بھی شریعت نے واضح کیے ہیں۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ نجاست کو پانی سے دھو کر دور کیا جائے، لیکن بعض صورتوں میں مٹی سے رگڑنا، دھوپ اور ہوا سے خشک ہونا، یا کیمیاوی تبدیلی یعنی استحالہ بھی پاکی کا سبب بن جاتا ہے، جیسے شراب کا سرکہ بن جانا۔ مردار کی کھال کو دباغت سے پاک کر دینا بھی احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح معفو عنہ نجاستوں اور عام ابتلا والی صورتوں میں

شریعت نے نرمی رکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت کے احکام میں جہاں پاکیزگی کی تاکید ہے وہاں آسانی اور رفعِ حرج کا اصول بھی پوری طرح کارفرما ہے۔

طہارت کے باقی مباحث اور اس کی حکمتیں

طہارت کے مباحث میں پانی کی اقسام بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ فقہاء نے پانی کو طاہر مطہر، طاہر غیر مطہر اور نجس میں تقسیم کیا ہے۔ بارش، دریا، کنویں اور چشمے کا سادہ پانی مطہر ہے، مستعمل پانی کے حکم میں فقہی آراء موجود ہیں، اور جس پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو جائے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موزوں اور جرابوں پر مسح، مریض اور معذور کے احکام، اور حیض و نفاس کی جزئیات بھی اسی باب کے اہم مباحث ہیں۔ ان تمام مباحث کا محور ایک ہی ہے کہ مسلمان ہر حال میں پاکیزگی کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہو۔

طہارت کی حکمتیں بھی بے شمار ہیں۔ جسمانی صحت کا تحفظ، بیماریوں سے بچاؤ، معاشرے میں صفائی کا عمومی ماحول، اور روحانی طور پر دل کی صفائی کی طرف توجہ، یہ سب طہارت کے ثمرات ہیں۔ جدید طب بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ باقاعدہ وضو اور غسل انسان کو بہت سی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس لیے طہارت کو اسلام نے عبادتِ محض نہیں بلکہ مکمل طرزِ زندگی قرار دیا ہے جس کے اثرات فرد سے لے کر پورے معاشرے تک پھیلتے ہیں۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ طہارت اسلام کے نظامِ عبادات کی بنیاد ہے۔ اس کا لغوی مفہوم پاکیزگی اور شرعی مفہوم حدث و خبث کا ازالہ ہے۔ اس کی اقسام میں طہارتِ حکمی و حقیقی، صغریٰ و کبریٰ اور ظاہری و باطنی شامل ہیں۔ وضو، غسل اور تیمم اس کے حصول کے ذرائع ہیں اور نجاستوں کے احکام اس کا تکمیلی باب ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ طہارت کے مسائل کو سیکھ کر اپنی عبادات کو درست کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی ہی کو قبول فرماتا ہے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ جماعت کی اہمیت و فرضیت نیز امامت کی ذمہ داری و مسئولیت پر تفصیل سے بحث کریں۔ (20)

تعارف

نماز باجماعت اسلام کی نمایاں ترین اجتماعی عبادات میں سے ہے۔ اذان، جماعت اور مسجد کا نظام مسلمانوں کو دن میں پانچ مرتبہ ایک مرکز پر جمع کرتا ہے اور ان کے درمیان وحدت، مساوات اور اخوت کا عملی مظاہرہ پیش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی اور اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہاں تک کہ مرض الوفات میں بھی جماعت ترک نہ فرمائی۔ اس سوال میں جماعت کی اہمیت و فرضیت کے فقہی مباحث اور امامت کی ذمہ داری و مسئولیت کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

جماعت سے مراد امام اور مقتدیوں کا مل کر مقررہ ہیئت کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے۔ فقہ القرآن کے اس یونٹ میں جماعت کے فضائل، اس کے شرعی حکم کے بارے میں ائمہ کے اقوال، جماعت کے ترک پر وعیدیں، اور امام کی اہلیت و ذمہ داریوں کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مبحث اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق صرف فرد کی عبادت سے نہیں بلکہ پورے مسلم معاشرے کی دینی و اجتماعی تنظیم سے ہے۔

جماعت کی اہمیت و فضیلت

نماز باجماعت کی فضیلت احادیث میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز، تنہا نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ ایک اور روایت میں رسول اللہ ﷺ نے جماعت کے لیے چل کر آنے والے کے ہر قدم پر درجہ بلند ہونے اور گناہ مٹنے کی بشارت دی ہے۔ فجر اور عشاء کی جماعت کی خاص تاکید آئی ہے اور ان کو منافقین پر بھاری قرار دیا گیا ہے۔ مسجد کی طرف کثرت سے آنا جانا ایمان کی علامت اور آخرت میں کامل نور کا سبب بتایا گیا ہے۔

جماعت کی اہمیت صرف ثواب کی کثرت تک محدود نہیں۔ اس کے اجتماعی فوائد بھی بے شمار ہیں: مسلمانوں کے درمیان باہمی تعارف اور محبت پیدا ہوتی ہے، امیر و غریب اور حاکم و محکوم ایک صف میں کھڑے ہو کر مساوات کا سبق حاصل کرتے ہیں، مریض اور غائب کی خبر

گیری کا ذریعہ بنتا ہے، نئے مسلمان اور ناواقف لوگ عملی طور پر نماز کا صحیح طریقہ سیکھتے ہیں اور دینی شعور بیدار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مساجد آباد کرنے اور جماعت قائم کرنے کو اسلامی معاشرے کی زندگی کی علامت قرار دیا ہے۔

جماعت کی فرضیت: فقہی مباحث

جماعت کے شرعی حکم کے بارے میں ائمہ کے درمیان مشہور اختلافی مباحث موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک فرض نمازوں کی جماعت ہر بالغ، عاقل اور مقیم مرد پر فرضِ عین ہے، اور ان کے دلائل میں وہ احادیث شامل ہیں جن میں جماعت ترک کرنے والوں کے گھروں کو آگ لگانے کی وعید آئی ہے، نیز نابینا صحابی کو بھی جماعت میں حاضر ہونے کا حکم دینا اس کی دلیل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق جماعت فرضِ کفایہ ہے کہ اگر معاشرے میں جماعت کا نظام قائم رہے تو سب سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

احناف اور مالکیہ کے نزدیک نماز باجماعت سنتِ مؤکدہ یا واجب کے قریب درجہ رکھتی ہے اور بلا عذر اس کا ترک گناہ و ملامت کا باعث ہے۔ جمعہ کی نماز کے لیے جماعت بالاتفاق شرط اور فرض ہے۔ دلیل کے طور پر قرآن مجید کی آیت وارکعوا مع الراکعین بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اختلافی بحث کا حاصل یہ ہے کہ تمام ائمہ جماعت کی سخت تاکید پر متفق ہیں اور بلا عذر ترک کو کسی نے بھی پسندیدہ نہیں قرار دیا، اختلاف صرف درجہ بندی کی تعبیر میں ہے۔

جماعت سے معذور افراد بھی شریعت نے بیان کر دیے ہیں۔ بیماری، شدید بارش و کیچڑ، بڑھاپے کی کمزوری اور اس جیسے حقیقی اعذار کی صورت میں رخصت ہے، لیکن ان صورتوں میں بھی گھر میں نماز کا پورا ثواب نیت کی وجہ سے ملنے کی احادیث میں بشارت آئی ہے۔ عورتوں کے لیے گھر کی نماز کو ان کی حالت کے اعتبار سے مسجد کی جماعت سے افضل قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر وہ مسجد جائیں تو روکنا منع ہے۔ اس تفصیل سے دین کا اعتدال اور اعذار کا لحاظ واضح ہوتا ہے۔

امامت کی شرعی حیثیت اور شرائط

امامت ایک عظیم دینی منصب ہے۔ امام نماز میں تمام مقتدیوں کا ضامن اور نمائندہ ہوتا ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ جماعت کی امامت کے لیے اہلیت کی شرائط مقرر ہیں: مسلمان، بالغ، عاقل اور مرد ہونا فرض نمازوں کی عمومی جماعت کے لیے ضروری ہے، نیز نماز کے مسائل سے واقفیت اور قرآن کی درست تلاوت بنیادی شرائط ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے امامت کا حقدار سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے، پھر سنت کا عالم، پھر ہجرت و اسلام میں سبقت رکھنے والے کو قرار دیا۔

فقہاء نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ فاسق و بدعتی کی امامت مکروہ ہے اگرچہ اہلِ علم میں اس کے پیچھے نماز کی صحت کے مباحث موجود ہیں۔ گھر کے مالک اور مسجد کے مقررہ امام کو امامت کا حق مقدم حاصل ہوتا ہے اور ان کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر امامت کرانا آداب کے

خلاف ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس سے بجا طور پر ناراض ہوں تو اس کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان شرائط کا مقصد یہ ہے کہ نماز جیسی عظیم عبادت کی قیادت بہترین اور باعلم شخص کے ہاتھ میں ہو۔

امام کی ذمہ داری و مسئولیت

امام کی پہلی ذمہ داری نماز کی صحت و تکمیل ہے۔ اس پر لازم ہے کہ ارکان کو اطمینان سے ادا کرے، قراءت کو قواعد کے مطابق درست رکھے، مقتدیوں کے حالات کا لحاظ کر کے نماز میں تخفیف اختیار کرے اور بے جا طوالت سے بچے، کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، مریض اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طویل نماز پڑھانے پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ امام لوگوں کے سامنے ہے اس لیے اسے ان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ نماز میں بھول چوک کی صورت میں سجدۂ سہو اور دیگر احکام کی پابندی بھی امام ہی کی ذمہ داری ہے۔

نماز کے علاوہ امام کی اجتماعی ذمہ داریاں بھی وسیع ہیں۔ وہ محلے اور بستی کا دینی رہنما ہوتا ہے: لوگوں کو دینی مسائل سکھانا، بچوں کی دینی تربیت کی فکر کرنا، تنازعات میں صلح کرانا، جنازوں اور سماجی امور میں رہنمائی، اور اپنے عمل و اخلاق سے نمونہ پیش کرنا اس کی مسئولیت میں شامل ہے۔ قیامت کے دن امام سے اس کی رعیت یعنی مقتدیوں کے بارے میں سوال ہو گا۔ اس لیے امامت کو محض ایک رسم نہیں بلکہ امانت سمجھنا چاہیے۔ جو امام اپنی ذمہ داری دیانت سے ادا کرے اس کے لیے احادیث میں بڑے اجر کی بشارت آئی ہے اور غفلت برتنے والے کے لیے سخت وعید بھی موجود ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ نماز باجماعت اسلام کی اجتماعی روح کا مظہر ہے، اس کی فضیلت اور تاکید قرآن و حدیث اور اجماعی عمل سے ثابت ہے اور اس کے شرعی درجے میں ائمہ کی تعبیرات مختلف ہونے کے باوجود اہمیت پر سب متفق ہیں۔ امامت اس نظام کا مرکز ہے اور امام پر نماز کی صحت سے لے کر معاشرے کی دینی رہنمائی تک بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو جماعت کی پابندی اور اہل و دیانت دار ائمہ کی قدر دانی کے ذریعے اس عظیم نعمت کی حفاظت کرنی چاہیے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ رمضان کی قضا کے احکام واضح کریں نیز اعتکاف کے احکام قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

رمضان المبارک کے روزے ہر بالغ و عاقل مسلمان پر فرض ہیں، لیکن شریعت نے مرض، سفر اور دیگر اعذار کی صورت میں رخصت دی ہے کہ روزے بعد میں قضا کر لیے جائیں۔ اس رخصت کے ساتھ قضا کے مفصل احکام بھی بیان ہوئے ہیں تاکہ کوئی فرض ذمے میں باقی نہ

رہے۔ اسی مہینے سے جڑی ہوئی دوسری عظیم عبادت اعتکاف ہے جو رمضان کے آخری عشرے میں رسول اللہ ﷺ کی مستقل سنت رہا ہے۔ اس سوال میں پہلے قضائے رمضان کے احکام اور پھر اعتکاف کے احکام ترتیب وار بیان کیے جاتے ہیں۔

فقہ القرآن کے اس یونٹ کی بنیاد سورۃ البقرہ کی آیات صیام ہیں جن میں روزوں کی فرضیت، رخصت، قضا اور فدیے کا ذکر موجود ہے۔ فقہاء نے انہی آیات اور احادیث کی روشنی میں قضا کی ترتیب، تاخیر کے احکام، فوت شدہ شخص کی طرف سے فدیہ اور اعتکاف کی شرائط و آداب پر مفصل مباحث قائم کیے ہیں جن کا خلاصہ آئندہ سطور میں پیش کیا جاتا ہے۔

قضا کے احکام: کن پر قضا لازم ہے؟

قضا سے مراد فوت شدہ روزے کا بعد میں اس کے بدلے میں روزہ رکھنا ہے۔ مسافر اور مریض کے لیے قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت نماز کی قضا نہیں کرتی لیکن روزوں کی قضا کرتی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں واضح ہے۔ جس شخص نے بلا عذر جان بوجھ کر روزہ توڑا اس پر قضا کے ساتھ بعض صورتوں میں کفارہ بھی لازم آتا ہے، خصوصاً جماع کی صورت میں کفارۂ مرتب یعنی غلام آزاد کرنا، ورنہ دو ماہ مسلسل روزے، ورنہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فقہاء نے بیان کیا ہے۔

قضا روزے اگلے رمضان سے پہلے رکھ لینا افضل اور احوط ہے، تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل سے ثابت ہے کہ قضا میں وسعت ہے اور اگلے رمضان تک مؤخر کرنا جائز ہے۔ فقہاء کے درمیان اس بات میں اختلاف موجود ہے کہ اگر کسی نے بلا عذر اس قدر تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آ گیا تو قضا کے ساتھ فدیہ بھی لازم آئے گا یا نہیں۔ احناف کے نزدیک صرف قضا لازم ہے جبکہ بعض دیگر ائمہ نے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ بھی کہا ہے۔ طالب علم کو یہ اختلاف نصاب کے مطابق ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

خاص صورتیں: فوت شدہ، بوڑھا اور دائمی مریض

جو شخص اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس کے ذمے قضا روزے باقی تھے اور اسے صحت کے ایام میں موقع بھی ملا تھا، اس کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے، اور فقہاء کی بڑی جماعت کے نزدیک اس کے مال سے ہر روزے کے بدلے فدیہ یعنی ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا یا اس کی قیمت ادا کرنا مشروع ہے، خصوصاً جب مرنے والا وصیت کر گیا ہو۔ اس صورت میں فدیہ ادا کرنا میت کے ذمے کی ادائیگی کی ایک صورت اختیار کر لی جاتی ہے۔

انتہائی بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے پر بالکل قدرت نہ رکھے اور دائمی مریض جس کی صحت کی امید نہ ہو، ان کے لیے قرآن نے فدیے کی صورت بیان فرمائی ہے کہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ اگر بوڑھا یا مریض بعد میں روزے کی طاقت پا لے تو فقہاء

کے نزدیک قضا کے حکم پر بھی بحث موجود ہے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو بھی اگر اپنے یا بچے کے نقصان کا خوف ہو تو روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ یہ احکام دین کی آسانی اور جان کے تحفظ کے اصول کو نمایاں کرتے ہیں۔

اعتکاف: مفہوم اور اقسام

اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنا اور اپنے آپ کو روک لینا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد روزے کی حالت میں اللہ کی عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنا ہے۔ قرآن مجید میں اعتکاف کا ذکر سورۃ البقرہ میں آیا ہے جہاں معتکف کے لیے حدود بھی بیان ہوئی ہیں۔

اعتکاف کی تین قسمیں فقہاء نے بیان کی ہیں: مسنون اعتکاف جو رمضان کے آخری عشرے میں کیا جاتا ہے اور سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کا درجہ رکھتا ہے، واجب اعتکاف جو نذر ماننے سے واجب ہو جاتا ہے، اور نفلی اعتکاف جو کسی بھی وقت مسجد میں داخل ہوتے وقت نیت کر کے کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہیں۔

مسنون اعتکاف کا وقت بیس رمضان کے سورج غروب ہونے سے شروع ہو کر عید کا چاند نظر آنے تک رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہر سال آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور جس سال وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف کیا کرتی تھیں۔ اعتکاف کا سب سے بڑا مقصد شبِ قدر کی تلاش اور اللہ تعالیٰ سے خلوت میں مناجات ہے، کیونکہ شبِ قدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں رکھی گئی ہے اور معتکف ہی ان تمام راتوں کی عبادت کو یقینی طور پر حاصل کر لیتا ہے۔

اعتکاف کی شرائط واحکام

اعتکاف کی شرائط میں مسلمان، عاقل اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا بنیادی ہیں۔ مسنون اور واجب اعتکاف کے لیے روزہ بھی شرط ہے اور اعتکاف اس مسجد میں ہونا چاہیے جہاں جماعت قائم ہوتی ہو۔ عورت کے اعتکاف کے بارے میں فقہاء کے مباحث موجود ہیں: احناف کے نزدیک عورت اپنے گھر کی نماز والی جگہ میں اعتکاف کرے تو درست ہے، جبکہ دیگر آراء میں مسجد کی شرط پر بھی گفتگو ہے۔ معتکف بلا ضرورت مسجد سے باہر نکلے تو اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، البتہ قضائے حاجت اور جمعہ جیسی شرعی ضرورت کے لیے نکلنا جائز ہے۔

اعتکاف کے دوران مباح امور اور ممنوع امور بھی واضح ہیں۔ بیوی سے مباشرت اعتکاف کو توڑ دیتی ہے اور اس کی صراحت قرآن میں موجود ہے۔ دنیاوی گفتگو، خرید و فروخت اور فضول مشاغل میں وقت ضائع کرنا اعتکاف کی روح کے خلاف ہے، جبکہ قرآن کی تلاوت، ذکر، نماز، دینی کتب کا مطالعہ اور تعلیم اس کا اصل مقصد ہے۔ اگر اعتکاف ٹوٹ جائے تو مسنون اعتکاف کے اس دن کی قضا کا حکم فقہاء نے بیان کیا ہے اور واجب اعتکاف کے ٹوٹنے پر از سرِ نو یا قضا کی تفصیلات کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔ خاموشی کو عبادت سمجھ کر اختیار کرنا درست نہیں، کیونکہ ضرورت کی درست گفتگو معتکف کے لیے جائز ہے۔

اعتکاف کی حکمتیں و فوائد

اعتکاف انسان کو دنیا کی مشغولیتوں سے کاٹ کر مکمل طور پر اپنے رب کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ یہ دل کی اصلاح، گناہوں سے توبہ، قرآن سے تعلق کی تجدید اور نماز و ذکر کی لذت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ معاشرتی اعتبار سے بھی مساجد آباد ہوتی ہیں، لوگ ایک دوسرے سے دینی ماحول میں ملتے ہیں اور نوجوان نسل کو عبادت کا عملی نمونہ نظر آتا ہے۔ جدید نفسیات بھی خلوت نشینی کے ذہنی سکون پر مثبت اثرات کو تسلیم کرتی ہے، اور اعتکاف اسی خلوت کی سب سے پاکیزہ اور بامقصد صورت ہے جو انسان کو شور و غل سے نکال کر سکونِ قلب عطا کرتی ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضا فرض ہے جس میں مسافر، مریض اور حائضہ وغیرہ شامل ہیں، دائمی عاجز کے لیے فدیے کی صورت موجود ہے اور فوت شدہ کی طرف سے بھی فدیے کی مشروع صورت بیان ہوئی ہے۔ اعتکاف رمضان کے آخری عشرے کی عظیم سنت ہے جس کی اقسام، شرائط اور احکام فقہ میں تفصیل سے موجود ہیں۔ دونوں عبادتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ شریعت نے رخصت کے ساتھ ذمہ داری کی تکمیل اور آسانی کے ساتھ عبادت کی بلندی دونوں کو جمع کر دیا ہے۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ قربانی کے احکام اور محرماتِ حج پر تفصیل سے نوٹ قلمبند کریں۔ (20)

تعارف

قربانی اور حج دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم سنت کی یادگار عبادتیں ہیں۔ قربانی ہر سال ذوالحجہ میں اللہ کی رضا کے لیے جانور ذبح کرنے کا نام ہے، جبکہ حج زندگی میں ایک مرتبہ استطاعت رکھنے والوں پر فرض ہے۔ حج کے مناسک میں احرام ایک خاص کیفیت ہے جس میں حاجی پر بہت سی حلال چیزیں بھی عارضی طور پر حرام ہو جاتی ہیں، انہی کو محرماتِ حج یا محظوراتِ احرام کہا جاتا ہے۔ اس سوال میں پہلے قربانی کے احکام اور پھر محرماتِ حج کی مفصل بحث پیش کی جاتی ہے۔

فقہ القرآن کے اس یونٹ میں سورۃ الکوثر، سورۃ الحج اور سورۃ البقرہ و المائدہ کی متعلقہ آیات کی روشنی میں ان دونوں موضوعات کو سمجھایا گیا ہے۔ قربانی کے مسئلے میں اس کا حکم، نصاب، وقت، جانور کی شرائط اور گوشت کی تقسیم شامل ہے، جبکہ محرماتِ حج میں احرام کی پابندیاں اور ان کی خلاف ورزی پر جزا یعنی دم وغیرہ کے احکام شامل ہیں۔ دونوں مباحث کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

قربانی کا حکم اور نصاب

قربانی کے شرعی حکم میں ائمہ کا اختلاف مشہور ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی ہر صاحبِ نصاب، مقیم اور عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہے، اور اس کی دلیل سورۃ الکوثر کی آیت فصل لربک وانحر اور وہ احادیث ہیں جن میں استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کو عید گاہ کے قریب نہ آنے کی وعید آئی ہے۔ جمہور فقہاء، یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قربانی سنتِ مؤکدہ ہے اور ان کی دلیل

رسول اللہ ﷺ کا دس سال مدینہ میں مسلسل قربانی کرنا اور امت کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ اس اختلاف کے باوجود قربانی کی عظیم اہمیت پر سب متفق ہیں۔

قربانی کا نصاب وہی ہے جو صدقۂ فطر کا نصاب ہے، یعنی بنیادی ضروریات سے زائد نصاب کے برابر مال کا مالک ہونا، البتہ اس مال پر سال گزرنا اور اس کا نامی ہونا شرط نہیں۔ قربانی کا وقت دس ذوالحجہ کی نمازِ عید کے بعد سے بارہ ذوالحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے، اور شہر میں نمازِ عید سے پہلے ذبح کرنا درست نہیں۔ قربانی اپنے اور اپنے اہل کی طرف سے کی جاتی ہے اور مرحومین کی طرف سے بھی نفل قربانی جائز ہے۔ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھے اس کے لیے ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال و ناخن نہ کاٹنا مستحب عمل ہے، جس کی ترغیب حدیث میں آئی ہے۔

قربانی کے جانور کی شرائط اور حصے

قربانی کے لیے مخصوص جانور مقرر ہیں: اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ اور دنبہ۔ عمر کی شرائط یہ ہیں کہ اونٹ پانچ سال، گائے و بھینس دو سال، بکری ایک سال کی ہو، البتہ بھیڑ اور دنبہ اگر چھ ماہ کا ہو مگر صحت مند اور ایک سال کے برابر نظر آئے تو اس کی اجازت بھی احادیث سے ملتی ہے۔ جانور کا عیب دار ہونا قربانی کو ناقص کر دیتا ہے: واضح لنگڑا، کانا، انتہائی بیمار اور اتنا لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہے، ان چار بڑے عیبوں والے جانور کی قربانی حدیث کے مطابق درست نہیں، اسی طرح کان یا سینگ کی خرابی کے جزوی عیوب کی تفصیلات فقہ میں موجود ہیں۔

حصوں کا ضابطہ یہ ہے کہ بکری اور بھیڑ میں صرف ایک ہی شخص کی قربانی ہو سکتی ہے، جبکہ اونٹ، گائے اور بھینس میں سات حصے تک شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ ہر شریک کی نیت قربانی یا عقیقہ جیسی قربت کی ہو اور کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ گوشت کی تقسیم کا مستحب طریقہ تین حصے کرنا ہے: ایک اپنے گھر کے لیے، ایک رشتہ داروں و دوستوں کے لیے اور ایک فقراء و مساکین کے لیے، تاہم پورا گوشت خود رکھنا یا سارا صدقہ کر دینا بھی جائز ہے۔ قربانی کی کھال بھی صدقہ کی جائے گی اور اسے قصاب کی اجرت میں دینا جائز نہیں۔

محرماتِ حج: مفہوم اور تفصیل

محرماتِ حج یا محظوراتِ احرام سے مراد وہ امور ہیں جو احرام کی حالت میں حاجی پر معتمر پر حرام ہو جاتے ہیں، اگرچہ عام حالت میں وہ حلال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں حج کے مہینوں اور احرام کی حدود کا ذکر فرمایا ہے کہ حج کے دوران نہ شہوت کی بات ہو، نہ گناہ اور نہ جھگڑا۔ ان محظورات کی تفصیل یہ ہے: مرد کے لیے سلا ہوا لباس پہننا اور سر ڈھانپنا، عورت کے لیے نقاب اور دستانے، خوشبو لگانا، بال یا ناخن کاٹنا، جسم کا میل خارش کر کے بال توڑنا، شوہر و بیوی کا تعلق اور اس کے دواعی، نکاح کرنا یا کرانا، اور خشکی کا شکار کرنا یا اس میں مدد دینا۔

شکار کی حرمت کی صراحت سورۃ المائدہ میں موجود ہے کہ احرام کی حالت میں شکار نہ مارو، اور اس کی خلاف ورزی پر مثلِ جانور کی جزا یعنی اس جیسا مویشی کعبہ پہنچا کر ذبح کرنا یا مساکین کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا مقرر کیا گیا ہے۔ سمندری شکار اس سے مستثنیٰ رکھا گیا

ہے۔ اسی طرح حرم کی حدود میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا غیر محرم کے لیے بھی ممنوع ہے، کیونکہ حرم کی حرمت کا تعلق جگہ سے ہے جو ہر وقت باقی رہتی ہے۔ یہ پابندیاں حاجی کو یکسوئی، عاجزی اور پرہیز گاری کی تربیت دیتی ہیں۔

خلاف ورزی کی جزا: دم اور فدیہ

محظوراتِ احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں شریعت نے ان کے درجے کے مطابق جزا مقرر کی ہے۔ معمولی محظورات، مثلاً خوشبو لگانا، سلا لباس پہننا یا بال کاٹنا، ان کی صورت میں فدیہ واجب ہوتا ہے جس کی تین صورتیں سورۃ البقرہ میں بیان ہوئی ہیں: تین دن کے روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا ایک بکری ذبح کرنا۔ سر مونڈنے کے عذر والی آیت میں یہی فدیہ نازل ہوا، جسے فقہاء نے دیگر محظورات پر قیاس کیا ہے۔ یہ تخفیف اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت نے غلطی اور ضرورت کا پورا لحاظ رکھا ہے۔

بعض بڑی خلاف ورزیوں کی جزا اس سے بڑی ہے۔ اگر محرم نے جماع کیا تو حج فاسد ہو جاتا ہے، اسے مکمل کر کے دم دینا اور اگلے سال قضا کرنا لازم آتا ہے۔ عرفات کا وقوف فوت ہو جانے سے حج فوت ہو جاتا ہے اور عمرہ کر کے احرام کھولنا اور قضا لازم آتی ہے۔ واجباتِ حج ترک کرنے، مثلاً مزدلفہ کا وقوف یا رمی چھوڑنے پر دمِ جبران واجب ہوتا ہے۔ ان تمام جزاؤں کا مقصد سزا سے زیادہ عبادت کی تکمیل اور حدودِ الٰہی کا احترام پیدا کرنا ہے تاکہ حاجی آئندہ احتیاط کرے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی صاحبِ نصاب پر واجب یا سنتِ مؤکدہ کے درجے کی عظیم عبادت ہے جس کے نصاب، وقت، جانور کی شرائط، حصوں اور گوشت کی تقسیم کے احکام فقہ نے تفصیل سے مقرر کیے ہیں۔ محرماتِ حج احرام کی وہ پابندیاں ہیں جن میں لباس، خوشبو، بال و ناخن، شکار اور ازدواجی تعلقات وغیرہ شامل ہیں، اور ان کی خلاف ورزی پر فدیہ، دم یا حج کی قضا جیسی جزائیں مقرر ہیں۔ دونوں مباحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی عبادات نظم و ضبط اور حدود کی پابندی کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچتی ہیں۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ اسلام کے بنیادی عناصر پر نوٹ تحریر کریں۔ (20)

تعارف

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی عمارت چند بنیادی عناصر پر قائم ہے۔ جس طرح کسی عمارت کی بنیاد مضبوط ہو تو پوری عمارت قائم رہتی ہے، اسی طرح اسلام کے بنیادی عناصر کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ مشہور حدیثِ جبریل میں اسلام، ایمان اور احسان کی صورت میں دین کے تین بڑے دائرے بیان ہوئے ہیں، اور ایک اور متفق علیہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس سوال میں انہی بنیادی عناصر کا جامع تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ القرآن کے پہلے یونٹ کا یہ آخری اہم مبحث دراصل پورے کورس کی تمہید ہے، کیونکہ آگے بیان ہونے والے تمام عبادات و معاملات کے احکام انہی بنیادوں پر کھڑے ہیں۔ بنیادی عناصر میں عقیدہ، عبادات کے ارکان، اخلاق و معاملات اور قرآن و سنت سے رہنمائی کا اصول شامل ہے۔ ذیل میں ان عناصر کو ترتیب وار واضح کیا گیا ہے تاکہ طالب علم دین کا مجموعی نقشہ سمجھ سکے۔

پہلا عنصر: عقیدہ و ایمان

اسلام کا پہلا اور سب سے بنیادی عنصر عقیدہ ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں، یومِ آخرت اور تقدیر پر ایمان۔ ایمان کے چھ ارکان حدیثِ جبریل میں بیان ہوئے ہیں: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، یومِ آخرت پر اور اچھی بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان۔ ان میں توحید کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی اسلام میں داخلے کا دروازہ ہے۔ عقیدے کی درستی کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اس لیے تمام عبادات کی بنیاد ایمان کو قرار دیا گیا ہے۔

عقیدے کا اثر صرف آخرت تک محدود نہیں بلکہ دنیاوی زندگی پر بھی گہرا ہوتا ہے۔ توحید پر یقین رکھنے والا انسان مخلوق کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے، اس میں جرأت، خودداری اور مقصدیت پیدا ہوتی ہے، اور وہ ہر کام میں اللہ کی رضا کو مقدم رکھتا ہے۔ آخرت کا عقیدہ اسے جواب

دہی کا احساس دیتا ہے اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کا بڑا حصہ عقیدے کی اصلاح اور تذکیر پر مشتمل ہے، اور انبیاء کی دعوت کی ابتدا ہمیشہ توحید ہی سے ہوئی ہے۔

دوسرا عنصر: ارکانِ اسلام و عبادات

اسلام کا دوسرا بنیادی عنصر وہ عبادات ہیں جنہیں ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ ان میں نماز دین کا ستون ہے جو دن میں پانچ مرتبہ بندے کو اللہ سے جوڑتی ہے، زکوٰۃ مال کی پاکیزگی اور معاشرتی ہمدردی کا ذریعہ ہے، روزے تقویٰ اور ضبطِ نفس کی تربیت ہیں، اور حج عالمی اخوت اور قربانی کا عظیم مظاہرہ ہے۔

یہ ارکان دراصل عقیدے کا عملی اظہار ہیں۔ صرف زبانی اقرار کافی نہیں قرار دیا گیا بلکہ عمل کو ایمان کا جز بنایا گیا ہے۔ عبادات میں باہمی توازن بھی نمایاں ہے: نماز کا تعلق خالق سے، زکوٰۃ کا تعلق مخلوق کی خدمت سے، روزوں کا تعلق نفس کی اصلاح سے اور حج کا تعلق پوری امت کی وحدت سے ہے۔ اسی جامعیت کی وجہ سے اسلام کو عبادات کا متوازن نظام کہا جاتا ہے۔ اس کورس کا بڑا حصہ انہی عبادات کے فقہی احکام پر مشتمل ہے، جو اس عنصر کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

تیسرا اہم پہلو یہ ہے کہ عبادات میں نیت اور اخلاص شرط ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ بغیر اخلاص کے بڑی سے بڑی عبادت بھی ریاکاری کی وجہ سے ضائع ہو سکتی ہے۔ اس لیے اسلام نے عبادت کی ظاہری صورت کے ساتھ اس کی روح پر بھی برابر زور دیا ہے۔ احسان کا درجہ، جسے حدیثِ جبریل میں بیان کیا گیا، یہی ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت یوں کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ درجہ عبادات کو محض رسم سے نکال کر زندہ تعلق میں بدل دیتا ہے۔

تیسرا عنصر: اخلاق و معاملات

اسلام کے بنیادی عناصر میں اخلاق و معاملات کو بھی اساسی حیثیت حاصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل بتایا ہے۔ سچائی، امانت، عدل، رحمت، صبر، شکر اور عفو و درگزر وہ بنیادی اخلاقی اقدار ہیں جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے۔ معاملات میں خرید و فروخت کی حلال صورتوں، سود و دھوکے کی حرمت، مزدور کا حق، پڑوسی و رشتہ داروں کے حقوق اور عہد کی پابندی جیسے احکام اسی عنصر کا حصہ ہیں۔ قرآن مجید نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو ہمیشہ جوڑ کر بیان کیا ہے جس میں اخلاق و معاملات سب شامل ہیں۔

اسلام نے عبادت اور اخلاق کو الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹا۔ نماز کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، روزے کا مقصد تقویٰ بتایا گیا اور زکوٰۃ کا مقصد مال کی پاکیزگی اور دلوں کی تطہیر قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کا اصل پھل اچھا اخلاق

ہے۔ جو شخص عبادات کے باوجود معاملات میں کھوٹا اور اخلاق میں گرا ہوا ہو، فقہی اصطلاح میں اس کی عبادت اگرچہ ادا ہو جائے مگر اس کی روح سے وہ محروم رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ القرآن میں عبادات کے ساتھ فقہ المعاملات کو بھی باقاعدہ جگہ دی گئی ہے۔

چوتھا عنصر: قرآن و سنت بطور ماخذ اور اجتماعیت

اسلام کا چوتھا بنیادی عنصر اس کا ماخذِ ہدایت یعنی قرآن و سنت ہے۔ اسلام کے تمام عقائد، عبادات اور احکام انہی دو سرچشموں سے اخذ ہوتے ہیں، اور اجماع و قیاس بھی انہی کی روشنی میں معتبر قرار پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک انہیں تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ اس اصول نے امت کو ہر دور میں اختلاف کے باوجود ایک مرکز پر متحد رکھا ہے اور فقہی مذاہب کی تمام تر تنوع اسی بنیاد کے اندر رہ کر پیدا ہوئی ہے۔

پانچواں عنصر امت کی اجتماعیت اور اخوت ہے۔ اسلام فرد کو معاشرے سے کاٹ کر نہیں دیکھتا بلکہ جماعت، مسجد، خاندان اور امت کے نظام کے ذریعے اس کی تربیت کرتا ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، باہمی تعاون، شورا اور عدل و انصاف کا قیام اسی اجتماعی عنصر کی صورتیں ہیں۔ حج و جماعت جیسی عبادات اسی اخوت کی عملی مشق ہیں۔ ان عناصر کی مجموعی صورت ہی اسلام کو ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی بناتی ہے جو عقیدہ، عبادت، اخلاق اور معاشرت سب کو ایک اکائی میں پروتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عناصر میں عقیدہ و ایمان سب سے پہلی بنیاد ہے، ارکانِ اسلام اس کی عملی عمارت ہیں، اخلاق و معاملات اس کی روح اور حسن ہیں، قرآن و سنت اس کا ماخذِ ہدایت ہے اور امت کی اجتماعیت اس کا معاشرتی نظام ہے۔ ان عناصر کو الگ الگ نہیں بلکہ ایک مجموعے کی حیثیت سے اپنانا ہی مکمل اسلام ہے۔ طالب علم کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آگے کے تمام فقہی مباحث انہی بنیادوں کی تفصیل ہیں، اس لیے یہ یونٹ پوری کتاب کی کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com